بقاؔ غازی پوری: سوانح اور شاعری

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی*

مولانا حافظ ابو صمصام عبد الرحمن بقاؔ غازی پوری، غازی پور کے دبستانِ شاعری کے ممتاز رکن اور استاذِ وقت کا درجہ رکھتے تھے۔ اپنے علم و فضل کی جامعیت، شعر و ادب میں رسوخ اور درس و تدریس میں مہارت کے باعث بلند تر مقام پر فائز تھے۔

مولانا عبد الرحمن بقاؔ کے والد کا نام چھجو[۱] تھا، جو ایک نیک اور خوش خلق و خوش اطوار آدمی تھے۔ مولانا کی والدہ زینب بی بی اپنے عصر کے نامور عالم و محدث مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری کی بڑی بہن تھیں۔ مولانا بقاؔ کا ددھیال اور ننھیال دونوں ہی مئو ناتھ بھنجن تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے فوراً ہی بعد یہ خاندان نامساعد حالات کے باعث مئو ناتھ بھنجن سے غازی پور منتقل ہو گیا۔

مولانا بقاؔ کی ولادت ۲۵ رجب ۱۲۸۱ھ / دسمبر ۱۸۶۴ء کو غازی پور کے محلہ سیّد واڑہ میں ہوئی۔

سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ صرف ۹ برس کی عمر میں مولانا نے حفظِ قرآن کریم کی سعادت حاصل کر لی تھی۔[۲]

اعلیٰ تعلیم کی غرض سے "مدرسہ چشمۂ رحمت" غازی پور میں داخل ہوئے۔ وہاں اپنے ماموں حافظ عبد اللہ غازی پوری سے علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی اور کتبِ فارسی اور شعر و ادب میں مولانا عبد الاحد شمشادؔ لکھنوی سے استفادہ کیا۔ نیز بعض دیگر اساتذہ سے بھی مستفید ہوئے۔ کتبِ حدیث و تفسیر دہلی میں سیّد نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھیں۔

تحصیلِ علم کے بعد اپنے مادرِ علمی "مدرسہ چشمۂ رحمت" ہی میں مدرس مقرر ہوئے۔ لالہ سری رام لکھتے ہیں:

> "۔۔۔مزاج میں ملازمت سے تنفر تھا اس لیے جلد مستعفی ہو کر مدتوں آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن سلسلۂ تعلیم ہمیشہ جاری رہا۔"[۳]

---

* ریسرچ اسکالر، مقیم کراچی

اس کے برعکس صاحبِ نزہۃ الخواطر مولانا حکیم عبدالحی حسنی نے لکھا ہے:

ولی التدریس بمدرسۃ "چشمہ رحمت" في بلدۃ غازي پور فدرس بھا مدۃ من الزمان[۴]

مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور کی مسند تدریس پر فائز ہوئے اور ایک طویل مدت تک فرائض تدریس انجام دیے۔

صاحبِ نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ آخری دور میں مولانا نے مدرسے میں بلامعاوضہ تدریس کے فرائض انجام دیے۔[۵]

سر سیّد احمد خاں سے تعلق:

مولانا کے معاصرانہ تعلقات اپنے عہد کے کئی مشاہیر سے قائم تھے۔ جن میں سر سید احمد خاں بھی شامل ہیں۔ سر سید احمد خاں سے مولانا کی خط کتابت بھی ہوا کرتی تھی۔ سر سید نے مولانا کو علی گڑھ آنے کی دعوت دی تھی لیکن کسی مجبوری کے باعث مولانا مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ تشریف نہ لے جا سکے اور ان کی جگہ علامہ شبلی نعمانی کا تقرر ہوا۔[۶]

علم و فضل:

مولانا بقاؔ غیر معمولی علم و فضل کے حامل بزرگ تھے۔ ان کی تصنیفات اس پر شاہد ہیں۔ ان کی دینی و فقہی بصیرت ان کی کتابوں سے عیاں ہے۔ شعر و ادب میں انھیں استاذِ وقت کا درجہ حاصل تھا لیکن افسوس کہ علم و ادب کی دنیا میں انھیں ان کا جائز مقام نہ مل سکا۔ علما کے تذکرے ہوں یا شعرا کے، ان کتابوں میں بہت کم ہی انھیں موضوع بنایا گیا۔ تاہم جو نقوش ضائع ہونے سے بچ گئے انھیں دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے معاصرین میں مولانا کس نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے استاذ عالی مرتبت اور ماموں حافظ عبد اللہ غازی پوری فرمایا کرتے تھے:

اگر عبدالرحمن زمانۂ سلف میں پیدا ہوتے تو اپنے علم و فضل کی بنا پر "امام" کے لقب سے مشہور ہوتے۔[۷]

علامہ شمس الحق عظیم آبادی کی کتاب اعلام أھل العصر بأحکام رکعتي الفجر پر مولانا بقاؔ نے عربی قطعہ تاریخ کتاب لکھا ہے۔ اس کتاب میں مولانا بقاؔ کو حسبِ ذیل القاب سے متصف کیا گیا ہے:

"الفاضل البیب الأدیب الاریب الجامع لانواع العلوم المولوی الحافظ أبی الصمصام محمد عبد الرحمٰن الغازیفوری حفظہ اللہ تعالیٰ"[۸]

مولانا عبد السلام مبارک پوری لکھتے ہیں:

"علامہ بقاؔ غازی پوری جو فنِ ادب، معقول، منقول میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے"۔ [9]

نواب عبد اللہ خاں ضیغم لکھنوی نے یادگارِ ضیغم میں ان کا مختصر لیکن جامع تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

حافظ کلام مجید ہیں۔ علم فارسی اور عربی میں بھی دست گاہ رکھتے ہیں۔ ذہین اور طباع ہیں۔ مولوی محمد عبد الاحد شمشاد لکھنوی سے فارسی پڑھی ہے۔ شعر و سخن میں بھی انھیں سے مشورہ ہے۔ علم عربی اور حدیث اپنے ماموں مولوی حافظ محمد عبد اللہ مدرس مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور سے حاصل کیا ہے۔ عربی کی شاعری میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ [10]

کتب خانہ:

مولانا صاحبِ علم تھے۔ قلم و قرطاس سے ان کا رشتہ تھا۔ کتابوں سے محبت اور ان کی جمع و حفاظت کا شوق بھی طبعی و فطری تھا۔ جناب علی شیر خان لکھتے ہیں:

آپ کے کتب خانے میں نادر و نایاب کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا۔ کتابوں کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔ آپ نے احادیث اور دوسرے موضوعات پر اور بھی کئی کتابیں لکھیں جن کے مسودے ان کے کتب خانے میں ملے۔ یہ مسودے کسی وجہ سے شائع ہونے سے رہ گئے تھے اس طرح کتنے ہی فن پارے منظر عام پر نہ آسکے۔ ان کے کتب خانے میں خطوط سے بھرے دو بکس بھی تھے ان خطوط میں داغؔ دہلوی اور سر سیّد احمد خاں وغیرہ کے خطوط قابلِ ذکر ہیں۔ کتابوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے نیز ان کے بہتر مصرف کے لیے آپ کے پوتے ڈاکٹر عبید الرحمن صاحب نے انھیں دار العلوم بنارس کے سپرد کر دیا ہے۔ تمام خطوط بو سیدہ تھے۔ غالباً ضائع ہو گئے ہیں۔ [11]

تصنیفات:

مولانا بقاؔ غازی پوری نے تصنیف و تالیف کے ذریعے اپنی علمی یادگار چھوڑی، مولانا کے علمی سرمایے میں فقہی کتب بھی ہیں اور منطق و فلسفہ کی کتابیں بھی، شعر و ادب کا ذخیرہ بھی اور درسی کتب کی شروحات بھی۔

علامہ سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ) کا تحریر کردہ رسالہ تہذیب فنِ منطق و کلام کا مشہور و متداول متن ہے۔ اپنے ادق علمی مباحث کی وجہ سے ہمیشہ سے حل و شرح کا محتاج رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف اہلِ علم نے اس کی عربی و فارسی زبان میں شرحیں لکھی ہیں۔ مولانا بقاؔ پہلے شارح ہیں جنھوں نے اس کی اردو شرح توشیح التہذیب لکھی ہے۔ توشیح التہذیب پہلی بار ۱۳۱۶ھ میں مطبع سعید المطابع بنارس سے ۲۴۴ صفحات شائع ہوئی تھی۔ مدرسین و طالب علم کی ضرورت کے پیشِ نظر یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور مصنف کی زندگی ہی میں اس کی غالباً دو سے اور ان کے بعد بھی متعدد بار شائع ہوئی۔

سُرّ من یریٰ في بحث الجمعة في القری مولانا کی فقہی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ مولانا نے اس میں قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور اقوالِ ائمہ کی روشنی میں دیہات میں نمازِ جمعہ کی اقامت کے مسئلے پر مفصل بحث کی ہے۔ یہ کتاب جمعہ فی القریٰ کے اثبات میں ہے اور مولانا محمود الحسن دیوبندی کی احسن القریٰ في توضیح اوثق العری کے جواب میں ہے۔ تنقیدی کتاب ہونے کے باوجود مولانا نے کہیں بھی شائستگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ پوری کتاب نہایت سنجیدگی اور متانت سے لکھی ہے۔ یہ کتاب اپنے دور کے مناظراتی ادب میں اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ مولانا بقاؔ کی یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ اس کی طباعت مولانا ضیاء الرحمن عمر پوری کے اہتمام سے مطبع سعیدی کلکتہ سے ۱۳۲۷ھ میں ہوئی۔ صفحات کی تعداد ۱۸۴ ہے۔

مولانا کی دیگر فقہی کتابوں میں الآیات المبصرات في بحث المسکرات، تاسیس التوحید في ابطال التقلید، تنویر الفؤاد في قبح مجلس المیلاد وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔

ایک کتاب مسنون ادعیہ و اذکار پر خیار الدعوات کے نام سے لکھی۔ اس میں مولانا نے مصادر کا خاص اہتمام کیا تھا۔ اس کی اولین طباعت ۱۳۲۶ھ میں مطبع ستار ہند کلکتہ کی طرف سے عمل میں آئی جو ۱۱۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد بھی یہ کتاب ہند و پاک میں کئی مرتبہ چھپی۔

مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری نے عربی زبان میں علم صرف کے موضوع پر طلبائے مدارس کے لیے سلم الصرف لکھی تھی جو اس زمانے میں بعض مدارس کے نصاب میں شامل ہوئی۔ اس کی ایک شرح عربی زبان میں مولانا عبد الرحمن بقاؔ نے لکھی تھی جو طبع نہ ہو سکی۔

ان کتب کے علاوہ مولانا بقا غازی پوری کے شعری دواین ہیں جو طبع نہیں ہوئے۔یہ شعری مجموعے اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں ہیں جو ان کے صاحب زادے ڈاکٹر عبیدالرحمن کے پاس موجود تھے اور اب امید ہے کہ آپ کے پڑپوتے جناب سیف الرحمن عبادؔ کی تحویل میں ہیں۔

تلامذہ:

مولانا کی علمی یادگار میں ان کی کتابیں اور اشعار کے ساتھ ان کے تلامذہ کا بھی ایک بڑا حلقہ ہے جو اپنے استاد کے خرمنِ علم کے فیض کی عملی و حقیقی یادگار ہے۔ان کے تلامذہ میں علوم دینی کے طالب بھی ہیں اور جولان گاہِ ادب کے متلاشی بھی۔مولانا بقاؔ کے حسبِ ذیل شاگردوں کے ناموں سے ہمیں آگاہی ہو سکی:

۱　مولانا عبد العزیز روانوی

۲　مولانا ابو النعمان عبد الرحمن آزادؔ مئوی

۳　مولانا عبد المنان وفاؔ غازی پوری (برادر صغیر)

۴　مولانا حکیم محمد سلیمان مئوی

۵　مولانا حافظ محمد اسحاق فخر غازی پوری (بھانجے)

۶　مولانا فضل الرحمن باقیؔ غازی پوری (فرزند)

۷　مولوی محمد رضا خاں رضاؔ غازی پوری

وفات:

اے بقاؔ باقی وہی ہے اور ہے سب کو فنا
ہم بھی مٹ جائیں گے اک دن لے کے نام اللہ کا

بالآخر مولانا کی سعید روح بھی ایک دن اللہ رب العزت کا نام لیتے لیتے اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔غازی پور کے اس بے مثال عالم، مدرس، مصنف اور شاعر و ادیب نے ۳ شعبان ۱۳۳۴ھ/ جون ۱۹۱۶ء میں وفات پائی۔[۱۲]

ازدواج و اولاد:

مولانا کی پہلی شادی اپنے ماموں حافظ عبد اللہ غازی پوری کی بڑی صاحب زادی فاطمہ سے ہوئی۔یہ قرآن مجید کی حافظہ تھیں اور انھوں نے اپنے والد ماجد سے علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی تھی لیکن

افسوس صرف پچیس برس کی عمر میں لاولد فوت ہوئیں۔ اس کے بعد مولانا بقا کی دوسری شادی اپنے دوسرے ماموں فتح محمد کی بیٹی آمنہ خاتون سے ہوئی۔[۳۱] آمنہ خاتون سے مولانا کے ایک فرزند مولانا فضل الرحمن باقیؔ پیدا ہوئے۔

مولانا فضل الرحمن باقی اپنے عہد میں علوم معقول و منقول کے جامع تھے۔ دینی حلقوں کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کی دنیا میں بھی بنظرِ تحسین دیکھے جاتے تھے۔ مولانا باقیؔ کی ولادت رجب ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں ہوئی۔ اپنے والد مولانا عبدالرحمن بقاؔ اور نانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری سے تعلیم حاصل کی۔ بچپن ہی سے علوم دینی کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کا ذوق بھی پروان چڑھا۔ بارہ سال کی عمر میں انھوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور سولھویں سال میں درسِ نظامی سے فراغت حاصل کر لی۔ جب حافظ عبد اللہ غازی پوری دہلی تشریف لے گئے تو وہاں مولانا کو اپنے ساتھ رکھا اور الہ آباد کے امتحان ملا اور فاضل کے لیے تیاری کرائی۔ ۱۹۱۳ء میں فاضل ادب کا امتحان پاس کیا۔ دونوں امتحانات میں مولانا باقی کی پوزیشن اول رہی۔

مختلف مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ کلکتہ میں ان کے علم کی قدر دانی ہوئی۔ کلکتہ یونی ورسٹی، شہر کے کالج اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کے اساتذہ ان کے مداح و معترف تھے۔ کلکتہ کے دبستانِ شاعری میں بھی ایک اہم رکن کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔ شہر کی ادبی فضائوں میں اس وقت خان بہادر علامہ رضا علی وحشتؔ کی شاعری کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ شعرا کی مجلس میں استاد اور میر مجلس کی حیثیت رکھتے تھے لیکن حضرت باقیؔ نے اس کوچے میں بھی بہت جلد اپنا امتیاز پیدا کر لیا۔ حتیٰ کہ شہر کا مجلس مشاعرہ مولانا کے بغیر تشنہ سمجھا جانے لگا۔

اہل علم و فن نے مولانا کی قدر کی اور پھر مولانا کا تقرر "مدرسہ عالیہ" کلکتہ میں ہو گیا۔ مدرسہ عالیہ کے پرنسپل شمس العلما ڈاکٹر ہدایت حسین کی نظر انتخاب مولانا پر پڑی اور اپنی ذاتی کوششوں سے وہ مولانا کو مدرسے میں سینئر مدرس کی حیثیت سے لائے۔ مولانا کا علمی جوہر اس میدان میں آکر اور بھی کھلا اور بہت جلد وہ مدرسے کے ہر دل عزیز اساتذہ میں شمار کیے جانے لگے۔

مولانا باقیؔ کی علمی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر سر حسان سہروردی نے کلکتہ یونی ورسٹی کے شعبہ عربی و فارسی میں لیکچرار مقرر کیا۔ حالاں کہ یونی ورسٹی کی لیکچرر شپ کے لیے کم از ایم۔اے پاس ہونا ضروری ہوتا ہے، لیکن یہ ضروری شرط مولانا کی علمی قابلیت کے مقابلے میں غیر ضروری ثابت ہو گئی

اور مولانا باقیؔ نے اپنی وفات تک مکمل تیس سال یونی ورسٹی میں گزارے۔ اس وقت وہ یونی ورسٹی کے ایک معزز سینئر فرد تھے اور چند ماہ بعد ہی ریٹائر ہونے والے تھے کہ اچانک پیغامِ اجل آپہنچا اور علمی دنیا ایک لائق استاذ، کہنہ مشق ادیب و شاعر سے محروم ہو گئی۔

مولانا باقیؔ خلقی اعتبار سے نحیف و نزار تھے، زیادہ تر بیمار رہے لیکن اس حالت میں بھی بعض غیر معمولی نوعیت کی علمی خدمت انجام دی۔ ان کی بعض اہم ترین علمی نوشتے ضائع ہو گئے جن میں قرآن مجید کی بعض سورتوں کی تفسیر، ادبی مضامین اور ان کا مجموعہ کلام شامل تھا۔ مولانا کو اپنے اس علمی سرمائے کے ضیاع کا دکھ پوری زندگی رہا۔"[۱۴]

بایں ہمہ مولانا باقی کی جن علمی خدمات سے دنیا مستفید ہوئی ان میں ابن قتیبہ الدینوری کی کتاب الشعر والشعراء کے پہلے حصے کی جمع و تدوین ہے۔ اس کے علاوہ نقد فردوس الحکمۃ، الھدیۃ السلطانیۃ کی جمع و تدوین، ابن سینا کی الطبیعات من کتاب النکات والفوائد کی تدوین، محدث ابو اسحاق القراب الہروی کی فضائل الرمی في سبیل اللہ کی تحقیق و تدوین وغیرہ شامل ہیں۔ مولانا باقیؔ اپنے نانا بزرگوار حافظ عبداللہ محدث غازی پوری کے قلمی فتاویٰ کی تدوین و ترتیب کے بعد طباعت کے آرزو مند تھے لیکن افسوس ان کی یہ خواہش ان کی زندگی میں بار آور نہ ہو سکی۔

مولانا باقی نے ۲۴ مارچ ۱۹۶۲ء کو کلکتہ میں وفات پائی۔[۱۵] مولانا باقیؔ کیا خوب فرما گئے تھے:

فنا ہے سب کے لیے مجھ پہ کچھ نہیں موقوف
یہ رشک ہے کہ اکیلا رہے گا تو باقیؔ

مولانا باقی کے ایک صاحب زادے ڈاکٹر عبید الرحمن صاحب تھے جن کے حالات ہمیں دستیاب نہ ہو سکے، البتہ مولانا باقی کے پوتے جناب سیف الرحمن عبادؔ ایک نامور شاعر اور افسانہ نگار تھے۔

مولانا باقی کے پوتے سیف الرحمن عبادؔ ۱۹۴۸ء میں غازی پور کے محلہ سیّد واڑہ میں پیدا ہوئے۔ عباد صاحب نے جس معزز گھرانے میں آنکھ کھولی، وہاں علم و ادب کا دور دورہ تھا اور عربی زبان کا ماحول ان کو وراثت میں ملا۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۰ء سے افسانہ لکھنا شروع کیا اور اب تک ان کے تقریباً ایک سو تیس افسانے ہندوستان کے مختلف ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے افسانوں کے مجموعے ایک آئینہ دھوپ میں اور قاشیں زمیں پر

طبع ہو چکا ہے۔ ان کی ایک کہانی نور بے نور آنکھیں پر بیسویں صدی ۱۹۸۲ء کا ایوارڈ بھی ان کو مل چکا ہے۔[16]

بقاؔ غازی پوری کی شاعری:

مولانا بقاؔ اردو، عربی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ تینوں زبانوں میں انھوں نے بہت سے اشعار کہے جن سے زبان و بیان پر ان کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ افسوس ان کے دواوین منظر شہود پر نہ آ سکے۔ مختلف کتابوں میں مولانا کا منتشر کلام ملتا ہے۔

عربی شاعری:

مولانا کی عربی شاعری کے نمونے مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔ بعض معاصر علما کی کتابوں پر مولانا نے منظوم تقاریظ لکھیں اور قطعات تاریخ لکھے جو عربی، فارسی و اردو میں ہیں۔ ان کا ایک عربی قطعہ ہے، جس میں اللہ رب العزت سے اپنی تمام مشکلات کے لیے راہ نمائی طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

الٰھی لقد اخفی علی المسالك ‏ ‏ ‏ وماجت بحار الحزن واللیل حالك

فان تھدنی اللطف اصبحت ناجیاً ‏ ‏ ‏ والا فانی فی الظلام لھالك[17]

یعنی: میرے معبود مجھ پر تمام راستے بند ہو چکے ہیں، حزن و ملال کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور رات انتہائی تاریک ہے۔ اگر تو نے اپنے لطف و کرم سے رہ نمائی فرمائی تو مجھ کو نجات مل سکتی ہے ورنہ میں اس ظلمت میں ہلاک ہو جاؤں گا۔

ایک رباعی میں اللہ رب العزت پر اپنے توکل کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ھب لی یا ذالجلال سؤلی کرمًا ‏ ‏ ‏ وامنن وفض علی منك النعمًا

ادعوك ولستُ آئساً بل ارجوا ‏ ‏ ‏ ان تجول لی علی نجاجی علمًا[18]

یعنی: اے ذو الجلال! اپنے کرم سے میرے سوال کو پورا کر دے، احسان فرما اور مجھ پر اپنی نعمتوں کی بارش کر دے۔ میں تجھ ہی پکارتا ہوں اور تجھ سے ہرگز مایوس نہیں بل کہ امید رکھتا ہوں کہ تو میری کامیابی پر نشانی عطا فرمائے گا۔

بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کیے گئے نعت کے دو اشعار ملاحظہ کیجیے:

اللہ بفضل احمد معترف

لا حد لحسن مایہ یتصف

اهدیٰ　صلواته　اليه　ابدًا
مما　هو　عند　منتهى　لا　يقف[19]

یعنی: اللہ تعالیٰ احمد ﷺ کی فضیلت کا اظہار فرماتا ہے۔وہ جس حسن سے متصف ہیں اس کی کوئی حد نہیں۔میں ان کی جانب درودوں کی سوغات بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ ایسی سوغات جو کبھی ختم نہ ہو سکے۔

ہر زمانے میں اہل علم شعرا اپنے اساتذہ اور معاصر علما کی تعریف میں قصیدے کہتے تھے۔مولانا نے بھی کئی قصائد لکھے۔فنِ قصائد اور تاریخ گوئی میں انھیں ملکہ حاصل تھا۔اپنے عالی مرتبت استاذ سیّد نذیر حسین محدث دہلوی کی تعریف میں جو مدحیہ قصیدہ بزبان عربی لکھا ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

هو خير أرباب النهى في عصرنا
هو　عارف　ومحدث　ونصيح
فينشر علم الدين يصرف عمره
ولقلبه　للصالحات　جُنوح
هذا "نذير حسين" سيدنا الذي
قلب　الموحد　في　هواه　ذبيح
الله　بارک　في　مدام　علومه
يسقى الجميع وفي الدنان طفرح[20]

اپنے استاذِ گرامی سیّد نذیر حسین محدث دہلوی کی وفات پر مولانا نے جو قطعۂ تاریخ عربی میں لکھا ہے،اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نذير حسين الحبر من آل هاشم　　مجدد دين الله للحق ناقد
إذا شاع فى معبورة الأرض لغيه　　بكى العلماء الراسخون الاماجد
هداهم إلى علم الحديث فاصبحوا　　وقد صلحت اعمالهم والعقائد
يقول بقا فى ارخ عامر وفاته　　قضى نحبه هادى البرية عابد[21]

آخری مصرعے سے سنہ وفات ۱۳۲۰ھ نکلتا ہے۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادی کی کتاب اعلام أهل العصر کے بارے میں قطعۂ تاریخ طباعت ملاحظہ ہو:

لقد ضائت الدنيا بأنوار فكره　　فيالك شمس الحق من عالم حبر
كتاب انيق من تعاجيب ربنا　　فهل من بصير طالب النهى والأمر
وقلت لعام الارخ إذ جد طبعه　　كلام زكى ناصح لاولى الذكر[۲۲]

"لأولی الذکر" سے کتاب کی سنہ طباعت ۱۳۰۵ھ نکلتی ہے۔

فارسی شاعری:

مولانا بقاؔ کا فارسی کلام ہمیں کم ہی دستیاب ہوا اور قیاس غالب بھی یہی ہے کہ ان کا فارسی کلام عربی اور اردو کے مقابلے میں نسبتاً کم ہی ہوگا۔فارسی میں ہمیں چند قطعات تواریخ ملے ہیں جو مولانا نے اپنے معاصر علما کی کتابوں پر لکھے تھے۔یہاں ان کا احاطہ ممکن نہیں۔صرف ایک قطعہ تاریخ پیشِ خدمت ہے جو مولانا بقاؔ نے اپنے استاذ اور ماموں مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری کی کتاب الکلام النباہ فی ردہفوات من منع مساجد اللہ کی کتاب پر لکھا تھا:

حافظ و عالم قرآن و حدیث　　سالک راہِ خدا روشن دل
مصدر حسن عمل عبد اللہ　　منبع فیض و ہمام و فاضل
این سجل بر زدہ چون با تنقیح　　محو شد نقش خیالِ باطل[۲۲]
طبع کردند و بقاؔ تاریخش　　گفت تحقیق شریف و کامل[۲۳]

آخری مصرعے سے کتاب کی تاریخ طباعت کا سن ۱۳۰۵ھ برآمد ہوتا ہے۔

اردو شاعری:

شعر و ادب سے مولانا بقاؔ کا تعلق عنفوانِ شباب میں قائم ہوا۔شمشادؔ لکھنوی جیسے ماہر استاد کی صحبت میں اس شوق کو جِلا ملی اور تادم آخر یہ شوق برقرار رہا۔بقاؔ کا اردو کلام اپنے عہد کے مشہور ادبی رسائل و جرائد اور شعری گلدستوں میں شایع ہوتا تھا۔جن میں پیام یار لکھنو، تحفہ عشاق لکھنو، گلدستہ ناز، داغ جگر، نغمہ بہار اور گل چیں وغیرہ شامل ہیں۔اس کے علاوہ مختلف کتابوں میں بھی بقاؔ کا نمونہ کلام ملتا ہے۔مولانا کے تذکرہ نگاروں نے بھی مولانا کا نمونہ کلام پیش کیا ہے۔معاصر تذکرہ نگاروں میں لالہ سری رام نے خم خانہ جاوید میں اور عبد اللہ خاں ضیغمؔ نے یادگارِ ضیغم مولانا بقاؔ کے حالات میں ان کا نمونہ کلام بھی پیش کیا ہے۔جب کہ بعد کے تذکرہ نگاروں علی شیر خاں نے اردو ادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات اور عبید الرحمن صدیقی نے غازی پور کا ادبی پس

منظر میں مولانا بقاؔ کا کافی کلام پیش کیا ہے۔ موخر الذکر نے مولانا کے قلمی دیوان سے شاعری کے کئی نمونے پیش کیے ہیں۔

جناب علی شیر خان بقا کی شاعری اور ادب میں ان کے مقام و مرتبے سے متعلق لکھتے ہیں:

آپ اردو، فارسی اور عربی کے بہترین شاعر ہی نہیں بلکہ شاعر گر تھے۔ داغؔ دہلوی اور امیر مینائی وغیرہ آپ کے ہم عصروں میں سے تھے اور ان کا نام بھی ان حضرات کے نام کے ساتھ شائع ہوا کرتا تھا۔ بیک وقت اردو، فارسی اور عربی زبانوں پر اتنی دسترس اور قدرت بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ نے تینوں زبانوں میں جس مہارت کے ساتھ فن شاعری کا نمونہ پیش کیا ہے وہ کسی بھی عہد کے بہترین فن پاروں کی صف میں فخر کے ساتھ رکھا جا سکتا ہے۔"[۲۴]

شعر و ادب کی دنیا میں حضرت بقاؔ غازی پوری کو استادِ وقت کا درجہ حاصل ہوا۔ ان کے استادِ شعر و ادب شمشادؔ لکھنوی بھی انھیں عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی ادبی صلاحیتوں پر اعتماد کرتے تھے۔ ایک بار مدرسہ چشمۂ رحمت کے سرکاری معائنے کے لیے بنارس سے انسپکٹر آف مدارس تشریف لائے ان کے اعزاز میں ایک شان دار جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقعے پر شمشادؔ لکھنویؔ نے اپنے اسی لائق و فائق شاگرد بقاؔ غازی پوری کو قصیدہ پیش کرنے کے لیے کہا۔ یہ قصیدہ بھی مولانا کی صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ نیز اس واقعے سے استاد کی نظر میں شاگرد کی قدر و منزلت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ قصیدہ مولانا کے غیر مطبوعہ دیوان سے جناب عبید الرحمن صدیقی نے اپنی کتاب غازی پور کا ادبی پس منظر میں نقل کیا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

"قصیدہ در مدح جناب پنڈت لکشمی شنکر مصرا انسپکٹر مدراس قسمت بنارس'

کہ حسبِ فرمائش مینجر مدرسہ چشمہ رحمت فی البدیہہ در وقفہ پانزدہ منٹ اتفاقِ نظم افتاد"

بدلی اٹھی ہے رحمت پروردگار کی	آمد ہے پھر چمن میں نسیم بہار کی
تازہ ہوا جنون اٹھے دل میں ولولے	چھوٹی لگام ہاتھ سے صبر و قرار کی
غنچے زبانِ حال سے کھل کھل کے کہتے ہیں	کیا دل کشا ہے نغمہ سرائی ہزار کی
جو گل ہے اس میں رنگ ہے اک گل عذار کا	بادِ صبا نے سیکھی ہے رفتار یار کی
یہ رنگ نامیہ نے جمایا کہ ان دنوں	لائی ہے برگ و بار ہر اک نوک خار کی
گلبن کی شاخ بن گئی منقار عندلیب	سرو چمن کو بھی ہوئی امید بار کی

آمد ہے کس کی آج کہ تعظیم کے لیے / شاخیں جھکی ہیں ہر شجر میوہ دار کی
نرگس کو ہے یہ کس کی زیارت کی آرزو / سرتا بپا بنی ہے نگہ انتظار کی
اے انتظار مژدہ قدم اس کے آ گئے / زینت ہے جس سے جلوہ گہ افتخار کی
گر دون شکوہ و جم حشم و آسمان سریر / رونق ہے جس سے علم کی شہر و دیار کی
سچ ہے کہ آج لکھشی شکر کے دید سے / حاصل ہوئی امید ہر امیدوار کی
بحر نواں ابر سخا منبع کرم / ادنیٰ ترین صفت ہے یہ اس با وقار کی
لو اب تو میں نے شوق میں لطفِ خطاب کے / صنعت میں التفات کی راہ اختیار کی
بحر جہاں میں ہے تری دریا دلی کا شور / دستِ کرم صدف ہے درِ شاہوار کی
کشتہ ہوئی جو تیرے مخالف کی آرزو / تربت بنی ہے دل میں اسی کے غبار کی
ہے انسپکٹری سے تری مدرسوں کو فخر / شہرت ہے چار سمت ترے حسن کار کی
علم و ہنر میں بھی ہے تو یکتاے روزگار / تعریف کیا ہو تجھ سے فلک اقتدار کی
تیرے کرم سے چشمہ رحمت کو ہے فروغ / یارب ترقی ہی رہے اس کاروبار کی
امیدواروں پر جو کرے تو نگاہِ لطف / بدلے یہ طرز گردشِ لیل و نہار کی
تیرے عطا و جود کے گوہر ہیں بے شمار / وسعت ہے تھوڑی دامنِ امیداوار کی
دے بےکسوں کو تیرے زمانے میں گردشیں / کب یہ مجال ہے فلک کج مدار کی
اب اے بقاؔ یہ وقت ہے ختم کلام کا / لے خاص راہِ شعر مدحت گزار کی
محو دعاے خیر ہو ممدوح کے لیے / امید دل میں رکھ کرم کردگار کی
جب تک چمن میں شاہد گل کا فروغ ہے / جب تک کہ روشنی ہے چراغ بہار کی
خنداں رہے یہ گلشنِ اقبال و سروری / دشمنوں کے دل میں خلش غم کے خار کی[۲۵]

مختلف غزلوں سے متفرق اشعار ملاحظہ ہوں:

کبھی تو وہ آجائیں گے بھولے بھٹکے
لگا ہے سرراہ بستر کسی کا
وہ بدنام ہوں گے ہمیں رنج ہو گا
گلہ کیجیے ہائے کیوں کر کسی کا
بتوں کی محبت بھی قہر خدا ہے

نہ دل آئے یارب کسی پر کسی کا
کس طرح دیں تمہیں ہم آئینہ دل اپنا
توڑ ڈالو گے جو دیکھو گے مقابل اپنا
خاکِ عاشق نے جو کی اس سے لپٹنے کی
ہوس ناز بولا کہ اٹھا لیجیے دامن اپنا
ہم نہ فتنہ ہیں، نہ جادو ہیں، نہ شوخی نہ حیا
اس کی آنکھوں میں جگہ پائیں تو پائیں کیوں کر
وہ ارمانوں کے جھرمٹ دیکھ کر دل میں یہ کہتے ہیں
یہاں بھی لوٹنے والے مرے جو بن کے بیٹھے ہیں
دکھا دے اے مری زہرہ ادا ان کو بھی ایک جھلک
حرم میں حضرتِ زاہد فرشتہ بن کے بیٹھے ہیں
خبر لے جلدی اب او ستمگر وگرنہ کھلتا ہے بھید سب پر!
کہ میری آنکھوں سے اشک سن کر تری تمنا ٹپک رہی ہے!
لطفِ راحت بھی جو دردِ دلِ ناشاد میں ہے
کیا وفا کا کوئی پہلو ترے بیداد میں ہے[۲۶]
اب ہمارا کوئے جاناں میں گزر ہونے کو ہے
خضر آ سا جذبہ دل راہبر ہونے کو ہے
اے دم شمشیر قاتل جان ہے تجھ پر نثار
تجھ سے اب میرا گلوئے خشک تر ہونے کو ہے
اے بقا اس نے تو قتلِ غیر پر باندھی کمر
رشک اسے کہتے ہیں میرا دل سپر ہونے کو ہے
گلہ عبث ہے حسینوں کی کج ادائی کا
کہ تیغ حسن میں جوہر ہے بے وفائی کا[۲۷]
روح مومن کی غذا ہے پاک نام اللہ کا ذکر

خوش آتا ہے مجھ کو صبح و شام اللہ کا

کل کہنے لگے کہ ہے طبیعت کیسی
بے وجہ مزاج میں کدورت کیسی
جب دردِ جگر سنا تو بولے ہنس کر
بیمارِ عشق ہے تو صحت کیسی!

جذبۂ عشق نے کچھ رنگ دکھایا شاید!
اب بقاؔ پر وہ توجہ کی نظر رکھتے ہیں! [۲۸]

کہتے ہیں نہ کر ہم سے گلہ دردِ جگر کا
عادت نہیں سننے کی شکایت ہو کسی کی
ڈرتا ہوں سناتے ہوئے حالِ غمِ فرقت
ایسا نہ ہو در پردہ شکایت ہو کسی کی
میں ہجر کی شب منتظر خواب اجل ہوں
شاید اسی رویا میں زیارت ہو کسی کی
کرنا جو نگہ بھی تو ذرا آنکھیں بچا کر
رسوائی نہ اے دیدۂ حسرت ہو کسی کی
یوں خاتمہ بالخیر بقاؔ کا ہو الٰہی
آنکھیں ہوں کھلی سامنے صورت ہو کسی کی

چھیڑ چھاڑ اے دلِ بے تاب ابھی رہنے دے
دیکھ آزردہ نہ کر ان کو بنی رہنے دے
کوئی وعدہ نہ وفا کر مجھے کچھ رنج نہیں
ہاں وہ ہاں جس سے بہلتا رہے جی رہنے دے
یوں نہ ویراں کر اے یاس بقاؔ کے دل کو
کسی گوشے میں اک امید پڑی رہنے دے [۲۹]

اب آخر میں ایک رباعی ملاحظہ ہو:

ہم نے کسی کو وفا میں صادق پایا　　جس کو پایا غرض کا عاشق پایا
اظہارِ محبت میں کیا جس نے غلو　　اس کو پسِ تجربہ منافق پایا[۳۰]

حوالہ جات:

۱۔ قیاس ہے کہ یہ عرفیت ہوگی اصل نام کچھ اور ہوگا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے مولانا بقاؔ کے والد کا نام عبد الرحیم لکھا ہے جب کہ عبد الرحیم ان کے نانا کا نام تھا۔ ممکن ہے کہ مولانا بقاؔ کے والد اور نانا دونوں ہی کا نام عبد الرحیم ہو۔واللہ اَعلم
۲۔ دہلوی،لالہ سری رام،۱۳۲۵ھ،خم خانہ جاوید،جلد اوّل،مرتبہ:پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی،مطبع نول کشور،لاہور،ص۶۰۲
۳۔ ایضاً
۴۔ حسنی،حکیم عبدالحی،۱۹۹۹ء،نزہتہ الخواطر،دار ابن حزم بیروت،ص۱۲۷۱
۵۔ ایضاً،ص ۱۲۷۱
۶۔ خان،علی شیر،ڈاکٹر،۱۹۹۸ء،اردوادب کے ارتقاءمیں غازی پور کی خدمات،غازی پور،ص ۲۸۶
۷۔ اخبار،اہلِ حدیث،یکم مئیَ ۱۹۶۲ء،دہلی
۸۔ اعلام اَھل العصر باحکام رکعتي الفجر (ص: ۶۸)
۹۔ مولانا عبدالسلام مبارک پوری،ناقص، قلمی، مخزونہ، محمد تنزیل الصدیقی الحسینی
۱۰۔ ضیغم،عبد اللہ،۱۳۰۳ھ،یادگارِ ضیغم،مطبع گلزار دکن حیدر آباد،ص ۴۷
۱۱۔ خان،ص ۲۸۶
۱۲۔ مولانا عبد الرحمن بقاؔ غازی پوری کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: ہفت روزہ، اہلِ حدیث،امرتسر: ۲۳ جون ۱۹۱۶ء، مولانا ثناء اللہ امرتسری، نزہۃ الخواطر،ص ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، یادگارِ ضیغم،ص: ۴۷، خم خانہ جاوید،ص۱/۶۰۲، ۶۰۷)، اخبار اہلِ حدیث، دہلی:یکم مئیَ ۱۹۶۲ء، مضمون نگار: مولانا مختار احمد ندوی،اردو ادب کے ارتقامیں غازی پور کی خدمات،ص ۱۷۹۔۱۸۳، ۲۸۵ تا ۲۸۷، تذکرہ مشاہیر غازی پور،ص ۲۳۵، ۲۳۶، غازی پور کا ادبی پس منظر،ص ۱۸۶ تا ۱۹۴، تذکرہ ماہ و سال،ص۸۵، مقدمہ: خیار الدعوات،ص ۸ تا ۱۲،یادگارِ سلف،ص: ۴۹۵۔۵۰۶،ہندو پاک میں عربی ادب،ص ۹۷
۱۳۔ پندرہ روزہ اخبار ''اہلِ حدیث'' دہلی (یکم مئیَ: ۱۹۶۲ء)
۱۴۔ علی شیر خاں لکھتے ہیں: ''ایک مرتبہ کلکتہ میں موصوف کے یہاں چوری ہوئی۔چور دوسرے سامان کے ساتھ آپ کی اس اٹیچی کو بھی اٹھا لے گئے جس میں ان کی وہ بیاض بھی تھی جسے وہ دیوان کی شکل میں مرتب کر رہے تھے۔اس طرح اردو ادب کا ایک بیش بہا خزانہ لٹ گیا اور اب نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہو گا۔بعد میں انھوں نے جو کچھ لکھا وہی ان کی تحریر میں آپ کے صاحب زادے ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب محلہ سیّد واڑہ شہر غازی پوری کے پاس موجود ہے۔''اردوادب کے ارتقامیں غازی پور کی خدمات،ص۲۴۳
۱۵۔ مولانا فضل الرحمن باقیؔ غازی پوری کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار اہلِ حدیث، دہلی:یکم مئیَ۔ ۱۵ جولائی ۱۹۶۲ء (مضمون نگار: مولانا مختار احمد ندوی)، اردو ادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات (ص: ۲۴۲۔۲۴۶، ۳۰۴۔۳۰۹)، غازی پور کا ادبی پس منظر (ص: ۱۹۸۔۱۹۹)، چند رجال اہلِ حدیث (ص: ۱۴۸۔۱۵۳)، یادگارِ سلف (ص: ۵۰۶۔۵۲۰)
۱۶۔ سیف الرحمن عبادؔ کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:اردوادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات،ص ۴۳۸۔۴۴۰، ۵۱۰۔۵۱۲، غازی پور کا ادبی پس منظر،ص: ۱۹۹، یادگارِ سلف،ص: ۵۲۰۔ ۵۲۱
۱۷۔ صدیقی،عبید الرحمن،۲۰۰۶ء،غازی پور کا ادبی پس منظر،انیس پبلی کیشن غازی پور،ص ۱۸۷
۱۸۔ ایضاً
۱۹۔ ایضاً،ص۱۸۸

۲۰۔ عظیم آبادی، علامہ شمس الحق، ۱۳۰۵ھ، غاية المقصود شرح سنن أبي داود، مطبع سعید المطابع، بنارس، (۱/ ۶۱، ۶۲)؛ بہاری، مولانا فضل حسین، ۱۹۸۴ء، الحیاۃ بعد المماۃ، مکتبہ اثریہ شیخوپورہ، ص۲۵۱۔۲۵۲

۲۱۔ بہاری، مولانا فضل حسین، ص۲۳۷۔ ۲۳۸

۲۲۔ عظیم آبادی، علامہ شمس الحق، ۱۳۰۶ھ، اعلام أهل العصر بأحكام ركعتي الفجر، مطبع انصاری دہلی، ص ۶۸

۲۳۔ غازی پوری، مولانا حافظ عبد اللہ، ۱۳۰۵ھ، الكلام النباه في رد هفوات من منع مساجد الله، مطبع سعید المطابع، بنارس، ص ۱۰۷۔ ۱۰۸

۲۴۔ خان، ص ۱۷۹۔ ۱۸۰

۲۵۔ صدیقی، ص ۱۸۹۔ ۱۹۰

۲۶۔ دہلوی، لالہ سررام، ص۲۰۶۔ ۲۰۷

۲۷۔ یادگارِ ضیغم (ص: ۴۷)

۲۸۔ خان، ص ۱۸۱۔۱۸۳

۲۹۔ صدیقی، ص ۱۹۱

۳۰۔ ایضاً

Abstract

This article aims at providing life account and selections of Baqa Ghazipuri's (1864-1916) from poetry in three languages: Arabic, Persian and Urdu. He was disciple of Maulvi Abdul Ahad Shamshad Lakhnavi. Ghazipuri used to write letters to Sir Syed Ahmed Khan and vice versa. Sir Syed invited him to Aligarh Muslim University to work with him. The article shares his works published. The work *Tahzeeb* by Allama Saaduddin Taftazani was considered to be a difficult text. Ghazipuri translated the work in Urdu and it was published as *Tushihutahzeeb*. He had many pupils to train them in poetry. His poetry was published in various *Guldasta*s. Many known *Tazkira*s such as *Khumkhana-e Javed* and *Yaadgar-e Zaigham* selected his for poetry.

Keywords: Urdu poetry of Baqa Ghazipuri, Sir Ahmed Khan